R.No. 2166/57 Regd. No. L922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت ۱-۱۱-۱۵-۶۴

سالانہ ۔ ۶/۰۰
قیمت فی پرچہ سالانہ
[illegible]

جلد ۲۳ ۔ شمارہ ۴۱	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم نومبر ۱۹۶۴ء

اداریہ

مشاعروں کا موسم

جاڑے کی آمد کے ساتھ مشاعروں کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ ہر شہر میں، ہر قصبے میں، ہر نمائش میں انجمن کی طرف سے آل انڈیا قسم کے بلکہ انڈو پاک قسم کے مشاعروں کا اعلان شروع ہو گیا ہے۔ ریڈیو والوں سے فرمائشیں شروع ہو گئی ہیں کہ ریلے کا انتظام کریں۔ خاص خاص وزیروں اور بڑے افسروں کو تو لایا جاتا ہے کہ ان کو افتتاح کرنے یا صدارت کرنے کے لیے بلایا جائے۔ یہ سلسلہ مارچ تک جاری رہے گا۔

ہمیں مشاعروں کی افادیت سے انکار نہیں، مگر آج کل جو مشاعرے ہوتے ہیں ان میں ہنگامہ زیادہ اور شاعری کم ہوتی ہے۔ شعرا کو بلانے میں ترنم کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ سامعین میں سمجھنے والے کم ہوتے ہیں تفریح لینے والے زیادہ۔ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو چٹ پٹے شعر پسند کرتے ہیں۔ اسی لیے اگرچہ اب نظمیں سنی جانے لگی ہے مگر مقبول غزل ہی ہوتی ہے۔ ہم منتظمین سے درخواست کرتے ہیں کہ مشاعروں کی اصلاح کریں۔ کم شعرا کو دعوت دیں مگر ان میں اچھے شعرا ہی ہوں۔ صدر کسی ادبی شخصیت کو بنائیں۔ اناؤنسر کی شخصیت کو صدر کی شخصیت پر حاوی نہ ہونے دیں۔ مشاعرہ تین گھنٹے سے زیادہ نہ چلے۔ بار بار کی سنی ہوئی نظمیں یا غزلیں نہ پڑھی جائیں۔ منتظمین جب کسی کو صدارت کی دعوت دیں تو اس سے یہ وعدہ لے لیں کہ وہ آخر تک مشاعرے کی صدارت کرے گا۔ شعرا دوسروں کا کلام بھی سنیں، صرف آپس میں باتیں نہ کریں۔ ڈائس پر صرف صدر اور پڑھنے والا بیٹھے۔ شعرا پڑھنے والے کے سامنے ہوں، پیچھے نہ ہوں۔ ترنم سے پڑھنے پر اصرار نہ ہو۔ مشاعرے میں شاعر ایسا کلام سنائیں جو یا تو نیا ہو یا اس مشاعرے اور اس ماحول کے مطابق ہو۔ مشاعری زندگی کو اچھی قدریں دیتی ہے۔ مشاعرہ ادب و تہذیب کا گہوارہ ہے۔ اسے ادب اور تہذیب کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ دنگل یا قوالی نہیں بننا چاہیے نہ وزیروں یا افسروں کو خوش کرنے کا ذریعہ۔ اردو شاعری کی مقبولیت میں مشاعروں کا بڑا حصہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اس کے زوال کا باعث ہو جائیں۔

اس شمارے میں

سیر بین

مشہور فرانسیسی ادیب سارتر (SARTRE) نے کمال کر دیا۔ اسے ادب کا نوبل پرائز ملا اور اس نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ اپنے اور اپنے پڑھنے والوں کے درمیان کسی قسم کا پردہ نہیں چاہتا، نوبل انعام کا بھی نہیں، یہ بہت بڑی بات ہے اور ہمارے یہاں کے بہت سے ادیبوں اور شاعروں کو جو انعام حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے جتن کرتے ہیں اس سے سبق لینا چاہیے۔ دراصل ایسے انعاموں سے ادیب کی عزت افزائی نہیں ہوتی، ہاں انعام دینے والوں کے مذاق اور ان کی سخن فہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ سارتر زندہ باد۔ اس نے ساری دنیا کے ادیبوں کے لیے بڑی اچھی مثال قائم کی ہے۔ سارتر کا درجہ ایک ناولسٹ، ڈراما نگار اور ایک فلسفی کی حیثیت سے مسلم ہے۔ نوبل انعام لینے یا نہ لینے سے اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حال ہی ہنری ملر کی ایک کتاب پڑھی۔ نام ہے ماروسی کا کلوسس (COLLOSUS)۔ یہ ایک عجیب و غریب سفر نامہ ہے۔ ہنری ملر امریکہ کے مصنفوں میں ایک منفرد انداز رکھتا ہے۔ اس کی نثر ہیرے کی طرح ترشی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے کئی ناول مشہور ہی نہیں بحث کا موضوع بھی ہیں۔ اس سفرنامے میں اس نے یونان کی فضا، وہاں کے کھنڈروں، وہاں کے کرداروں، وہاں کے عوام کا جس طرح ذکر کیا ہے، اس کا جواب نہیں۔ خاص طور سے یونانیوں کے کھانے کے شوق اور انداز گفتگو، انسانی گفتار کی داستان پڑھنے کی ہے۔ ہمارے لیے یہ بات اس لیے دلچسپ ہے کہ ہمارے یہاں بھی بات چیت یا گپ کے فن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا محمد علی نے "تو" کا مرثیہ" میں اسے ادب عالیہ کا درجہ دے دیا تھا۔ جن لوگوں نے سر راس مسعود، مرحوم سروجنی نائیڈو، پطرس بخاری کو باتیں کرتے سنا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ کیا جادو کرتے تھے۔ ملر نے ایک یونانی شاعر سفرس کا ذکر کیا ہے۔ جسے ادب کا نوبل پرائز تو اب جا کر ملا ہے، مگر اس کی شخصیت اور شاعری سے ملر دوسری جنگ عظیم کے دوران میں متاثر ہوا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس سفرنامے میں جو جنگ کے دوران میں لکھا گیا، جنگ بہت دور کی چیز معلوم ہوتی ہے، نظر کے سامنے یونان کی فضا، وہاں کے مناظر، وہاں کے لوگ ہی رہتے ہیں۔

اسکاٹ ریڈ کناڈا کی طرف سے ہندوستان میں ہائی کمشنر تھے۔ انھوں نے ۱۹۵۰ء میں اپنی حکومت کو ایک طویل خط لکھا جس میں جواہر لال نہرو کے متعلق خاص تفصیل سے اظہار خیال کیا۔ یہ مضمون اب کناڈا کے "انٹرنیشنل جرنل" میں شائع ہوا ہے۔ اس میں پنڈت جی کے متعلق بڑا جامع اور منصفانہ تبصرہ ہے۔ انھیں اشوک اور اکبر کی برادری میں رکھا گیا ہے۔ ان کی خوبیوں کا بھی ذکر ہے اور ان کی خامیوں کا بھی، لیکن ان کی عظمت کی بڑی روشن تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ہم جلد اس مضمون کا اردو ترجمہ شائع کریں گے۔

بھوپال میں ریاستی انجمن مدھیہ پردیش کی ممبر سازی مہم

بھوپال ریاستی انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کے جنرل سکریٹری مسٹر ایم عرفان نے اپنے ایک بیان میں سٹی کمیٹی کی ممبر سازی کی مہم کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بچے پور کانفرنس میں علاقائی تنظیم کے پیش نظر ہر یونٹ کو اس بات کا مجاز قرار دیا ہے کہ وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے تحریک چلائے۔

سرکاری اعلان کے مطابق بھوپال کی اردو بولنے والی پچیس فی صدی آبادی کے لیے سرکاری طور پر نہ تو اردو اسکول قائم کیے گئے ہیں اور نہ ہی سرکاری اعلانات اور قوانین وغیرہ کی اردو میں اشاعت کی جاتی ہے۔ اسکولوں میں مضمون کی حیثیت سے اردو پڑھنے والوں کے لیے اساتذہ کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا ہے نہ آل انڈیا ریڈیو بھوپال اور پبلسٹی ڈپارٹمنٹ نے اپنے یہاں اردو شعبے قائم کیے ہیں جب کہ اس خصوص میں مرکزی اور صوبائی سرکاروں کو متعدد بار یاددہانی کی جا چکی ہے۔

اس صورت حال کو بدلنے کے لیے سٹی کمیٹی نے طے کیا ہے کہ آنے والے چھ ماہ کے اندر ۲۵ ہزار اردو دوستوں کو انجمن کا ممبر بنایا جائے۔ فیصلے کے مطابق ۱۵ اکتوبر سے ممبر سازی مہم کا آغاز ہو چکا ہے۔ پہلے نشانے کے مطابق شہر خاص، ٹی ٹی نگر، بیرا گڑھ اور ایچ ای ایل میں ۱۵ نومبر تک پانچ ہزار ممبر بنائے جائیں گے۔ ممبر سازی کے بعد حلقہ وار تنظیم قائم کر کے شبینہ مدارس، لائبریری اور ادبی حلقوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا اور حکومت کو آگاہی دی جائے گی کہ شہر بھوپال میں اردو کو جو لسانی اکثریت حاصل ہے اس کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

مسٹر ایم عرفان نے اس پروگرام کی حمایت کرتے ہوئے بھوپال کے اردو دوستوں سے اپیل کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو کے ممبر بنیں اور بنائیں تاکہ عوامی تحریک ہموار کی جا سکے۔

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں

ڈاکٹر سید سلیمان حسین

ہوس لکھنوی

ہوس لکھنوی ان بد قسمت شعرا میں سے ایک ہیں جن کی حیات اور شاعری پر ابتک کسی نے کوئی توجہ نہیں کی۔ تذکروں میں ان کے حالات اتنے مختصر ملتے ہیں جس سے ان کی حیات کے نقوش پوری طرح نہیں ابھرتے۔ اس پر طرّہ یہ کہ ان مختصر سے حالات میں بھی تذکرہ نویسوں نے متعدد جگہوں پر زبردست غلطیاں کی ہیں جس سے ہوس کی شخصیت غیر واضح ہو کر رہ گئی ہے ذیل میں ان کے حالات پر تحقیقی نظر ڈالی جا رہی ہے۔

ہوس کا پورا نام مرزا محمد تقی خاں اور تخلص ہوس تھا۔[۱] والد کا نام نواب مرزا علی خاں تھا جو امۃ الزہرا بہو بیگم صاحبہ بیوۂ شجاع الدولہ بہادر کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب مالک اشتر تک پہنچتا ہے۔ ہوس کے جد کلاں مرزا حسن خاں ایران سے ہندوستان[۲] تشریف لائے تھے اور شاہجہان آباد میں اقامت گزیں ہو گئے تھے یہاں شہزادہ والا قدر محمد اعظم ابن عالمگیر تک ان کی رسائی ہو گئی۔ شہزادہ موصوف کی وساطت سے بارگاہ شاہی تک پہنچ ہو گئی اور داروغہ مطبخ سلطانی کے منصب پر فائز ہوئے۔ موصوف کے بیٹے مرزا غلام علی خاں تھے جنھیں صاحب تاریخ "ماثر الامراء" نے "یکے از دانشوران وقت و علمائے عصر" لکھا ہے یہ بھی مثل باپ کے مطبخ سلطانی کے عہدہ پر فائز و ممتاز ہوئے۔ موصوف کے بیٹے مرزا محمد اسحاق خاں تھے۔ جو کچھ عرصہ ملک میں طوائف الملوکی کی وجہ سے سخت مصائب و آلام کا شکار رہے آخر میں عمدۃ الملک نواب امیر خاں کی رفاقت اختیار کی۔ جن کی وساطت سے ان کی بھی دربار شاہی تک رسائی ہوئی۔ نادر شاہ کی واپسی کے بعد جب عمدۃ الملک کا ستارہ تقدیر چمکا تو اسحاق خاں کے بھی دن پھرے اسی دوران نواب عبدالمجید خاں کشمیری دیوان خالصہ کی معزولی عمل میں آئی تو ان کی جگہ اسحاق خاں کو ملی اور موتمن الدولہ کے معزز خطاب سے بھی سرفراز ہوئے۔ آخر ترقی کرتے کرتے گجرات کے گورنر بنا دیئے گئے۔ موصوف کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھیں آپ کا سلسلہ خاندان یوں چلتا ہے۔

موتمن الدولہ محمد اسحاق خاں شوشتری

۱۔ مرزا محمد خاں نجم الدولہ (متوفی ۱۱۹۳ھ)
۲۔ مرزا علی خاں افتخار الدولہ (متوفی ۱۱۹۳ھ)
۳۔ مرزا محمد علی خاں سالار جنگ (متوفی ۱۲۰۱ھ)
۴۔ امۃ الزہرا نواب بہو بیگم صاحبہ والدہ آصف الدولہ

مرزا علی خاں افتخار الدولہ:
۱۔ نواب مرزا محمد تقی خاں ہوس لکھنوی
۲۔ ظفر الدولہ فتح علی خاں

صاحب تذکرہ "آب بقا" کا بیان ہے کہ ہوس لکھنؤ کے محلہ سرائے معالی خاں میں سنہ ۱۱۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی بیان کو حامد صاحب چھپروی علیگ نے اپنے ایک مضمون "ہوس لکھنوی۔ شخصیت اور فن" میں بغیر کسی حوالے کے نقل کیا ہے۔ لیکن موصوف کا فرمانا قرین قیاس نہیں۔ کیونکہ جیسا مصحفی نے لکھا ہوس ابتدا میں میر حسن کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ میر حسن کا انتقال سنہ ۱۲۰۱ھ میں ہوا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ صرف نو سال کی عمر میں ہوس ان کے شاگرد ہوئے ہوں۔

مصحفی نے ریاض الفصحاء کی ترتیب کے وقت ہوس کی عمر ۴۰ سال سے متجاوز بتائی ہے۔ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا حال مصحفی نے آغاز تذکرہ یعنی سنہ ۱۲۲۱ھ میں لکھا ہوگا۔ اس حساب سے ہوس کی پیدائش کا سال سنہ ۱۱۸۰ھ قرار پاتا ہے۔

ہوس عہد آصف الدولہ بہادر (سنہ ۱۱۸۸ھ - سنہ ۱۲۱۲ھ) میں فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آئے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔ اس طرح ان کا مولد فیض آباد قرار پاتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ میر حسن کے انتقال (سنہ ۱۲۰۱ھ) کے بعد ہوس نے چند سال اپنے کلام پر کسی سے اصلاح نہ لی۔ مصحفی کی شاگردی غالباً سنہ ۱۲۰۱ھ اور سنہ ۱۲۱۲ھ کے درمیان قبول کی۔ اسی عرصہ میں مصحفی ہوس کی سرکار میں نوکر بھی ہوئے یہ زمانہ مصحفی کی ناداری اور پریشان حالی کا تھا۔ اس کے قبل مصحفی سلیمان شکوہ کی سرکار سے وابستہ تھے۔ اتفاق سے راہ چلتے مصحفی کی ہوس سے ملاقات ہو گئی۔ نواب موصوف ہاتھی پر سوار تھے جیسے ہی انھوں نے مصحفی کو دیکھا ہاتھی روک کے حال پوچھا اور وعدہ لیا کہ دوسرے روز مجھ سے ضرور ملیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے بعد ہوس شاگرد ہوئے اور ماہوار بھی مقرر ہو گیا۔ یہ سلسلہ مصحفی کی آخر عمر تک چلتا رہا۔

۱؎ ریاض الفصحاء، ص ۲۶۹

۲؎ ص ۲۶۸

۳؎ حکومت کا سلسلۂ خاندان چند پشتوں تک درج کیا جا رہا ہے۔ محمد اسحاق خاں ابن غلام علی خاں، ابن مرزا حسن خاں ابن محمد رضا خاں، ابن مظفر علی خاں، ابن مرتضیٰ علی خاں، ابن مرزا نادر خاں، ابن مرزا شاکر علی خاں ابن محمود علی خاں ابن تہور علی خاں، ابن ظہور علی خاں، ابن منصور علی خاں، ابن امداد علی خاں، ابن فتح علی خاں، یہ سلسلہ اسی طرح حضرت علی کے سپہ سالار مالک اشتر رحمۃ اللہ تک پہنچتا ہے۔

۴؎ نیا دور، شمارہ جون سنہ ۱۹۸۲ء ۵؎ ریاض الفصحاء ص ۲۹۵

مصحفی کے کلیات میں چند قصائد ہوس کی شان میں موجود ہیں

ایک قصیدہ ہے جس کا مطلع یوں ہے ؎

اس سال ہے سردی کی یہ تاثیر ہوا پر
جوں موج ہر اک کی ہے زنجیر ہوا پر

اس میں مدح یوں نظم کی ہے ؎

اے پائے قلم مدح طراز اس کے تو اب بچ
ان روزوں ہے جس شخص کی تقریر ہوا پر
مرزا تقی یعنی ہے ہوس جس کا تخلص
ہے جس کے گل نظم کی توقیر ہوا پر

ایک دوسرے قصیدہ کا مطلع ہے ؎

بس کب تلک تحمل بیداد روزگار
سینہ تو مارے ضبط کے ہو ہو گیا فگار

اس میں مدح کے شعر یوں نظم کیے ہیں ؎

تدبیر سوجھتی نہیں الا کہ جاؤں اب
ہو دادخواہ بر در نواب جم وقار
مرزا تقی بعرف محمد تقی کہ ہے
ادنیٰ مصاحب اس کا افلاطون روزگار
یارب ہے جب تلک کہ خورشید چرخ پر
اور چرخ کا ہے گردش ایام پر مدار
قائم رہے تو مسند حشمت پہ مثل قطب
گردش میں مدعی رہیں تیرے ستارہ وار

لیکن مصحفی کی ہوس سے زیادہ دنوں تک نہ نبھ سکی۔ چند ہی برسوں کے اندر تنخواہ کے معاملہ پر جھگڑا ہو گیا۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ مصحفی کی کسی مہینے کی تنخواہ باقی تھی ایک روز انھوں نے اپنی عسرت کا حال نواب موصوف سے بیان کیا۔ نواب (ہوس) نے کہا آپ کی تنخواہ باقی ضرور ہے مگر مجھ سے چند روز مدخرچ نہ ہو سکے گی۔ شیخ صاحب اپنی عادت کے مطابق بے ساختہ کہہ بیٹھے کہ تب دیکھیہ تو میری زبان بھی نہ رہ سکے گی؟"

اس روایت کو خواجہ عشرت لکھنوی نے تذکرہ آب بقا میں نقل کیا ہے اس سے قبل یہی بیان حضرت ناصر لکھنوی تذکرہ خوش معرکۂ زیبا میں بھی دے چکے ہیں۔ اس لیے بیان مذکور میں کسی قدر صداقت نظر آتی ہے۔ اسے تقویت اس چیز سے بھی پہنچتی ہے کہ ہوس کا وثیقہ کچھ بہت زیادہ نہ تھا۔ باپ دادا کی جمع کی ہوئی دولت تھی جسے وہ بے دریغ خرچ کر رہے تھے۔ بہو بیگم صاحبہ کی وصیت کے مطابق جو وثیقہ یکم ذی الحجہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۸۱۴ء کو تقسیم ہوا تھا اس میں ہوس کا نام موجود نہیں۔ بیگم صاحبہ نے مرزا علی خاں کی محل کے نام وثیقہ جاری کرایا تھا اس کے علاوہ وثیقہ میں نواب سالار جنگ اور مرزا علی خاں کے خاندان والوں کے لیے بھی تھوڑا وثیقہ درج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی روپے میں سے ہوس کے حصہ میں صرف ۱۵۰ روپے ماہوار آئے تھے۔ پھوپھی نے بھتیجے کے ساتھ یہ ناانصافی کیوں کی اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جبکہ اپنے بھائی سالار جنگ کی اولاد کے نام بڑے بڑے وثیقے جاری کیے گئے تھے۔

ہوس کا ذکر تذکروں میں

تذکروں میں ہوس کا ذکر مختلف ناموں سے کیا گیا ہے جس کی طرف سب سے پہلی دفعہ ذکا سی نے توجہ کی۔ وہ کہتا ہے "ہوس اودھ کے ایک نواب آفاق الدولہ کے رشتہ دار ہیں جو رضا، رضی اور رسا کے ناموں سے مشہور رہے ہیں"۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ، گلشن بے خار اور سخن شعرا میں ان کا تذکرہ رضی، رسا اور ہوس کے ضمن میں ملتا ہے۔ اور تذکرہ ذکا میں رضا کے احوال ہیں۔ صاحب تذکرہ سراپا سخن، نساخ، اور صفیر بلگرامی نے نسب کے سلسلے میں غلطی کی ہے۔ ان تینوں نے ہوس کے والد مرزا علیخاں کو سالار جنگ کا بیٹا لکھا ہے۔ جو غلط محض ہے۔

تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے ہوس کو بڑا ذی علم شخص لکھا ہے مصحفی ان کو فضل و کمال سے آراستہ اور مجسمۂ اخلاق تحریر فرماتے ہیں۔ صاحب تذکرہ خوش معرکۂ زیبا ان کے احوال میں رقم طراز ہیں "شاعر مسیحی نفس نواب مرزا محمد تقی خاں۔

تخلص ہوس خلف الصدق نواب مرزا علی خاں زیور علم و کمال سے آراستہ پیراستہ حسب و نسب ان کا محتاج شرح و بیان کا نہیں چند شاعر ہمیشہ اس سرکار میں مثل میر حسن، وطالب علیخاں عیشی اور میاں مصحفی نوکر رہے"۔

مندرجہ بالا بیان میں ہوس کی تعریف کے علاوہ میر حسن اور عیشی کا ان کی سرکار سے وابستہ ہونا قابل غور ہے ان دونوں شخصوں کا ہوس کی سرکار سے متوسل ہونا قابل یقین نہیں۔ کیونکہ میر حسن کے انتقال کے وقت ہوس صرف نو سال کے تھے اس لیے میر حسن کا سرکار سے وابستہ ہونا بالکل غلط قرار پاتا ہے۔ عیشی نواب تقریباً الماس علی خاں کی سرکار کے نمک خوار رہے۔ اس لیے ان کا بھی ہوس سے تعلق مشکوک ہے۔

تذکرہ ریاض الفصحا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوس اپنے دولتخانہ پر برابر مشاعرے کرتے رہتے تھے جس میں اس وقت کے اکثر بڑے شعرا شریک ہوتے تھے۔ مصحفی کی بعض شعرا سے ملاقات وہیں ہوئی تھی۔

لہ آب بقا [illegible] منتخبات صفحہ [illegible] ۱۸۵۵ [illegible] تذکرۂ مصحفی۔

شہ صفحہ ۳۶

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

غزلیں

حیرت شمسوی مرحوم کی آخری غزل

پہلے بیج تو بونا ہوگا پھر جو کچھ ہے ہونا ہوگا
جب تسبیح بنانا ہوگی دانہ دانہ پرونا ہوگا
پیتل سے دھوکا مت کھانا یہ نہ سمجھنا سونا ہوگا
سورج نکلے گا تو روشن گھر کا کونا کونا ہوگا
شبنم کو ہاں شبنم ہی کو پھولوں کا منہ دھونا ہوگا
دنیا ہے یہ اس میں خوشی کو غم کے ساتھ سمونا ہوگا
فطرت کا قانون یہی ہے پانا ہے تو کھونا ہوگا
موجیں ناؤ ڈبو ہی دیں گی جب منظور ڈبونا ہوگا
کس کو خبر تھی وہ دن بخشش کر اک مدت تک رونا ہوگا
دنیا کی زندگانی کو ہم سمجھے ایک کھلونا ہوگا

خود بھی کرے گا کوشش حیرت
جس کو اونچا ہونا ہوگا

خورشید احمد شمسی

کیوں آتی ہے رہ رہ کے گلستاں کی فضا یاد
شاید مجھے گلزار کے پھولوں نے کیا یاد

خوشبو سی برستی ہے ترے پیار کی دل پہ
آتی ہے مجھے جب تری زلفوں کی گھٹا یاد

یہ یاد ہے نظروں کا تصادم سا ہوا تھا
کب پیار ہوا ان سے مجھے یہ نہ رہا یاد

جب چاندنی چھٹکاتا ہے ہر سو میرا کال
آتی ہے تمہارے رخِ تاباں کی ضیا یاد

لاریب کہ تا زندگی بھٹکے گا وہ راہی
جس کو نہ ہو تقدیر سے منزل کا پتہ یاد

اٹھ اور قفس توڑ دے اے مجرِ اسیری
چل تجھ کو گلستاں میں بہار آنے کیا یاد

دیکھا نگہِ خاص سے اس نے جسے شمسی
اس کو نہ رہا کچھ بھی محبت کے سوا یاد
جگر کا مصرعہ ہے۔ اب کچھ بھی نہیں مجھ کو محبت کے سوا یاد

۔ (ادارہ)

سہسرام اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کا جلسہ

سہسرام اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن کی جانب سے ایک زبردست عام احتجاجی جلسہ زیر صدارت جناب عبدالسلام صاحب اختر بتاریخ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز اتوار بوقت ساڑھے چھ بجے شام بمقام جناب عبدالرحمٰن خاں صاحب کے پھاٹک میں منعقد ہوا جس میں اسکول کالج مدرسہ کے طلبا معززین شہر اور قرب و جوار سے آئے ہوئے لوگوں نے کافی تعداد میں شرکت کی جلسہ میں کالج کے متعدد طلبا نے تقریریں کیں اور مگدھ یونیورسٹی کے متعلق حسب ذیل قرارداد منظور کی گئیں۔

جلسہ کے بعد ایک طرحی مشاعرہ کا بھی نظم تھا جس کی صدارت سہسرام کے کہنہ مشق شاعر جناب وجیہ الدین صاحب حشر نے فرمائی۔

یہ جلسہ مگدھ یونیورسٹی کے اس فیصلے کو کہ اس نے ایک سال کے لیے ہندی زبان برسم دیوناگری کو ذریعہ امتحان بنانا ایک سال کے لیے ملتوی کر دیا ہے تشکر و امتنان کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اس کے باوجود اس جلسہ کے خیال میں یہ التوا لسانی اقلیتوں کے مطالبات کے مطابق نہیں اس سرکلر کو واپس لے لینا ہی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا ضامن ہوگا اس لیے یہ جلسہ اپیل کرتا ہے کہ لسانی اقلیتوں کو تمام امتحانات کے جوابات ان کی مادری زبان میں لکھنے کا جمہوری حق تسلیم کیا جائے اور سرکلر مذکورہ کو غیر مشروط طور پر ہمیشہ کے لیے واپس لے لیا جائے۔

(منظر علی جنرل سکریٹری اردو اسٹوڈینٹس فیڈریشن سہسرام)

نوعمر شعراء اور شاعرات متوجہ ہوں

صرف نوعمر شعراء اور شاعرات کے رشحات فکر کو ایک کتابی صورت دی جا رہی ہے۔ جو شاعر یا شاعرہ اپنی غزلیں۔ نظمیں۔ قطعات اس میں شایع کرانا چاہتے ہیں وہ غیر مطبوعہ تخلیقات۔ فوٹو۔ سوانح حیات اور مکمل پتہ۔ اور اپنے ساتھیوں کے پتے۔ بذریعہ رجسٹری ذیل کے پتہ پر روانہ کریں۔

ایم۔ اے نعیم راہی معرفت ایم۔ اے علیم پان شاپ نزد ڈاکخانہ ضلع بھیر (مہاراشٹر)

نادم سیتاپوری کی نئی کتاب

نادم سیتاپوری کی نئی تحقیقی کاوش "غالب کے کلام میں الحاقی عناصر" انشاء اللہ جلد ہی ادارہ فروغ اردو لکھنؤ کی طرف سے پیش کی جائے گی۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب غالبیات میں بالکل نیا اضافہ ثابت ہوگی کیونکہ اس میں وہ تمام الحاقی کلام جمع کر دیا گیا ہے جو گزشتہ پچاس ساٹھ سال کے اندر غلط طور پر غالب کے نام سے منسوب ہوتا چلا آ رہا ہے۔

(دا اسلام)

(۱) بمبئی سے بحری جہازوں کی روانگی:۔ ہم نہایت مسرت کے ساتھ ۱۹۶۵ء کے حج کے لیے جہازوں کی روانگی کے عارضی پروگرام کا حسب ذیل اعلان کرتے ہیں۔ قانون کے مطابق قطعی، تاریخوں کا اعلان ہر جہاز کی روانگی سے پندرہ روز پہلے کیا جائے گا۔

رمضان سے قبل جہازوں کی روانگی

اسلامی کی روانگی ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو بمبئی سے متوقع ہے

رمضان کے بعد جانے والے جہازوں کی روانگی کی متوقع تاریخیں

نام جہاز	روانگی کی متوقع تاریخ	نام جہاز	روانگی کی متوقع تاریخ
مظفری	۹ر فروری ۱۹۶۵ء	اسلامی	۵ر مارچ ۱۹۶۵ء
سعودی	۸ر " "	مظفری	۱۰ر " "
محمدی	۱۱ر " "	محمدی	۱۹ر " "
اسلامی	۱۴ر " "	اسلامی	۲۴ر " "
مظفری	۲۲ر " "	مظفری	۲۶ر " "
محمدی	۲۸ر " "		

(۲) کرایہ:۔ بمبئی سے جدہ اور جدہ سے بمبئی کو واپسی کے اخراجات مندرجہ ذیل ہوں گے ہر حالت میں واپسی ٹکٹ ہی جاری کیے جائیں گے۔

بمبئی / جدہ / بمبئی

فرسٹ کلاس	کرایہ	خوراک	جدہ کے مقامی محصول	کرایہ مکان	جدہ کے سفری اخراجات	کل میزان
بالغوں کے لیے	۱۱۵۷/۱۰	۱۸۸/۵۰	۹۶/۴۵	۱۳/۳۰	۲/۰	۱۴۱۹/۴۲
بچے ۲ تا ۵ سال	۵۷۸/۵۵	۸۹/۲۵	-	-	-	۶۶۶/۸۰
۰ تا ۲ "	[illegible]	-	-	-	-	۵۷۸/۵۵

ڈیک کلاس	کرایہ	خوراک	جدہ کے مقامی محصول	کرایہ مکان	جدہ کے سفری اخراجات	کل میزان
بالغوں کے لیے	۴۲۲/۲۰	۵۵/۹۵	۹۶/۴۵	۱۳/۳۶	۲/۰	۵۹۲/۹۶
بچے ۲ تا ۵ سال	۲۱۲/۱۰	۲۷/۸۲	-	-	-	۲۳۹/۹۲
۰ تا ۲ "	۲۱۲/۱۰	-	-	-	-	۲۱۲/۱۰

محمدی اور مظفری میں دس اور سعودی میں دو برتھ والے آٹھ کیبن ہیں جن کے ساتھ غسل خانے بھی ملحق ہیں ان کا کرایہ فرسٹ کلاس کے علاوہ فی برتھ مزید بیس روپیہ یک طرفہ دینا ہوگا۔ کسی جہاز میں ایک برتھ کی کیبن نہیں ہے۔

(۳) پابندیاں:۔ حاجیوں کی عام صحت اور بھلائی کے پیش نظر مندرجہ ذیل زمرہ کے اشخاص پر پابندیاں عاید کردی گئی ہیں جن کی رو سے انھیں حج کو جانے کی اجازت نہ دی جائے گی عازمین حج درخواست بھیجنے سے پہلے ان پابندیوں پر غور کرلیں۔

(الف) ۵ اور ۱۰ سال کے درمیان کی عمر کے بچے

(ب) ایسے لوگ جن کے پاس ہندوستانی سکہ رائج الوقت کے ... روپے سے کم ہوں حج کو جانے کی اجازت نہ پا سکیں گے

(ج) ایسے حضرات کو جو گزشتہ ۵ سال یعنی ۶۰-۱۹۶۰ کے دوران فریضۂ حج ادا کرچکے ہیں حج بدل کی بھی اجازت نہ دی جائے گی

(د) ایسی خواتین جو درخواست گزاری کے وقت چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کی حاملہ ہوں

(ہ) وہ اشخاص جو مندرجہ ذیل بیماریوں یا عارضوں میں مبتلا ہوں۔

۱۔ دماغی امراض (۲) دق یا سل (۳) دمہ (۴) قلبی امراض (۵) متعدی کوڑھ (۶) دیگر شدید متعدی امراض

دی مغل لائن لمیٹڈ

دی مغل

حج

(۴) ریزرویشن کے قواعد:۔ تمام درخواست ... خواتین کے بالغ ... ضروری ہے کہ اپنی درخواست ... چار کاپیاں اور بھیج دیں ایک سال سے کم عمر کے ... ہر عازم حج کو الگ فارم پر درخواست ... بچے کا سفر خرچ نہ پڑیگا پھر بھی اس کی درخواست ... جائے جس میں اس کی صحیح عمر درج ہو جسکی تصدیق ... کے ساتھ ایک حلف نامہ اس امر کا ہونا چاہیے کہ ... ایک مستند ڈاکٹر کا ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھی اس ... میں مندرجہ ذیل تفصیلات ہونا ضروری ہے۔

(۱) پورا نام (۲) باپ یا شوہر کا نام (۳) جنس ... (۵) پیشہ (۶) پورا پتہ معہ نام ڈاکخانہ، ضلع اور ریاست ... کا نام جس میں جگہ درکار ہے۔ اگر اس جہاز میں جگہ ... جگہ مطلوب ہے (۹) پچھلا حج کس سال ادا کیا تعداد ... ڈرافٹ کی رقم (۱۱) دستخط درخواست دہندہ ...

بحری جہاز میں جگہ کا ریزرویشن

(الف) ڈیک کلاس:۔ مقررہ فارم پر ... کے ساتھ ۱۴ سال سے زیادہ عمر کے ہر بالغ کا پورا ... کی درخواست کے ساتھ ۲۳۹/۹۲ اور ایک سال ...

(۲) تمام رقومات بنک ڈرافٹ ہی کے ذریعہ بھیجی ... کیا جائے اور بذریعہ رجسٹری بھیجا جانا چاہیے ... میں بیمہ کے ذریعہ روپیہ بھیج سکتے ہیں منی آرڈر یا چیک ...

(۳) جس لفافے میں بنک ڈرافٹ یا نقد روپیہ بھیجا ... درخواست دہندہ کا تعلق ہے ضرور لکھنا چاہیے اور ... رمضان کے بعد جن لفافوں پر ان امور کی صراحت ...

(۴) کسی لفافے میں سات سے زیادہ درخواستیں ... کی ہوں ورنہ درخواستیں مسترد کردی جائیں گی۔

(۵) جو درخواستیں مقررہ شرائط کو پورا نہ کریں گی ...

(۶) سیٹوں کے رجسٹریشن کا کام گورنمنٹ کے مقرر کردہ ... شروع ہوگا جو کہ درخواستوں کی وصول یابی کی آخری ...

(۷) رجسٹریشن ہوجانے پر ایک "رسید بل" فارم پر ... نمبر ہوگا۔ درخواست دہندگان کو بعد کی تمام خط و کتابت ...

۱۶/ بنـ...

(د) ڈیک کلاس کے عازمین حج کو اپنی رسید (بی فارم) حفاظت سے رکھنا چاہیے کیوں کہ اس فارم کے دکھانے پر ہی ان کو ٹکٹ دیا جائے گا یہی فارم ان کی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔

(ب) **فرسٹ کلاس**:- اس کلاس کے ریزرویشن کے قواعد بھی وہی ہوں گے جو ڈیک کلاس کے ریزرویشن کے لیے ہیں نیز یہ کہ مقررہ فارم پر درخواست کی دو کاپیوں کے ساتھ ۱۲ سال سے زیادہ عمر کے ہر بالغ کا پورا کرایہ ۲۰۰۲/۱۹ اور ۳ سے ۱۲ سال تک کے بچے کا پورا کرایہ ۱۰/۹۹۹ اور ایک سے ۳ سال تک کے بچہ کا کرایہ ۵۵/۵۰۰ اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹ اور حلف نامہ بھیجا جائے۔

فرسٹ کلاس کے ان عازمین حج کو جو اپنے ساتھ ملازم لیجانا چاہتے ہیں ملازمین کے ڈیک کلاس کے لیے پیراگراف ۵(د) کے مطابق درخواست بھیجنی چاہیے تاکہ گنجائش کے مطابق ملازمین کی جگہ کا ریزرویشن کر دیا جائے ڈیک کلاس کی بکنگ کی میعاد ختم ہونے کے بعد موصول ہونیوالی درخواستوں پر غور نہ کیا جائیگا

(۶) **ویٹنگ لسٹ**:- ویٹنگ لسٹ کا اعلان نہیں کیا جائے گا جن درخواستوں پر قطعی ریزرویشن کیلئے غور نہیں کیا جاسکا ان کی کچھ فیصد تعداد ہر ایک کلاس کی ویٹنگ لسٹ پر رکھی جائے گی۔ ویٹنگ لسٹ پر آنے والے عازمین حج کو کینسل ہونے والی نشستوں کے عوض سیٹیں الاٹ کیا ئیں گی اور یہ الاٹمنٹ ایک ترتیبی ضابطہ کے تحت ہوگا الاٹمنٹ ہونے پر عازمین کو فوراً اطلاع کی جائے گی جن درخواستوں کو ویٹنگ لسٹ پر نہیں رکھا جائے گا انھیں درخواست گزار کو واپس کر دیا جائے گا۔

(۷) **بکنگ کی ابتدا**:- ہمارے دفتر کے کونٹر پر کوئی درخواست وصول نہیں کی جائے گی تمام درخواستیں بذریعہ رجسٹرڈ پارسل کے لفافوں میں اوپر کی ہدایتوں کے مطابق ۱ ضروری ہیں تاکہ کمپنی کے پاس ۱۰ر نومبر ۱۹۷۶ء کے دن یا اس سے قبل پہونچ جائیں۔ اس تاریخ کے بعد آنے والی درخواستوں کو واپس کر دیا جائے گا۔

(۸) **منسوخی**:- نشست منسوخ کرانا ہو تو اس کے لیے ہمارے دفتر میں ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء تک درخواست پہونچ جانی چاہیے ورنہ رقم واپس کرتے وقت کرایہ کی رقم میں سے دس فیصدی کٹوتی کی جائے گی جن اشخاص کے نام ویٹنگ لسٹ پر ہوں گے اور وہ نشست ملنے کے بعد کمپنی کو نشست منسوخ کرانے کیلئے اس جہاز کی تاریخ روانگی سے دس دن قبل جس میں کہ ان کی نشست بک کی گئی ہو کی اطلاع نہیں دیں گے تو ان کے کرایہ کی رقم بھی واپس کرتے وقت دس فیصدی کاٹ لی جائے گی۔

(۹) ناموں کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ریزرویشن میں تبدیلی کی اجازت

(۱۰) غیر ملکی اصحاب

ایسے لوگ جو ہندوستانی قومیت نہ رکھتے ہوں اور بمبئی تا جدہ حاجیوں کے جہاز میں نشستیں چاہتے ہوں ان کے لیے لازم ہے کہ ہندوستان میں اپنے ملک کے ڈپلومیٹک نمائندوں کے ذریعہ درخواست ارسال کریں، نیز ان کے پاس انٹرنیشنل پاسپورٹ ہونا ضروری ہے جس پر سعودی عرب سفارت کی طرف سے باقاعدہ تصدیق اور ویزہ ہونا چاہیے ان کے پاس واپسی ویزا بھی ہونا چاہیے تاکہ حج کرنے کے بعد واپسی سفر پر وہ بمبئی کے لیے جدہ سے جہاز پر سوار ہو سکیں ایسے عازمین حج کو صرف ڈیک کلاس میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ کسی جہاز میں کوئی جگہ خالی ہو

(۱۱) عازمین حج کی خدمت میں التماس ہے کہ

وہ نوٹ فرمالیں کہ جدہ سے بمبئی لوٹنے کے لیے نشستوں کا انتظام جدہ میں انڈین ایجنسی کے تحت ہے جو جدہ میں ان کی آمد کے حساب کی ترتیب سے دیا جاتا ہے۔

(۱۲) **حج کے سلسلے میں مزید تفصیلات**:- معلوم کرنے کے لیے براہ کرم ایگزیکٹو آفیسر پورٹ حج کمیٹی کارنک روڈ بمبئی کے پتہ پر خط و کتابت کریں

(۱۳) ریزرویشن کا طریق کار معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں

...لمیٹڈ

...۱۹۷۶ء

...سمہ

...لے ہے جن میں خواتین بھی شامل ہیں (سوائے پردہ نشین...
...ورٹ سائز کا فوٹو چسپاں کردیں اور فوٹو کی مزید...
...شی ہیں۔

...کی دو کاپیاں ہونا ضروری ہیں اگرچہ ایک سال کے...
...ن کے باپ یا سرپرست کے دستخطوں سے بھیجی...
...پیدائش کا سرٹیفکیٹ منسلک کیا جائے درخواست...
...ندہ نے گزشتہ پانچ سال میں حج ادا نہیں کیا اور...
...ت دہندہ سفر کے قابل ہے یا نہیں اور درخواست...

...یخ پیدائش (۹) قومیت ہندوستانی یا غیر ہندوستانی...
...میں اپنے وارث کا نام اور اس سے رشتہ (۱۰) جہاز...
...جہاز کا نام مع تاریخ روانگی (۱۱) درجہ جس میں...
...صیلات یعنی ڈرافٹ کا نمبر، بنک کا نام اور...
...کی تاریخ

...کے لیے طریقہ حسب ذیل ہوگا

...دو کاپیاں ٹھیک ٹھیک خانہ پری کرکے اور اس...
...روپے بھیجا جائے ۳ سے ۱۲ سال تک کی عمر کے بچے...
...عمر کے بچوں کی درخواست کے ساتھ ۱۱۲/۱۶ پیشگی بھیجے جائیں...
...متعلق لائن کے نام ہونا چاہیے جو بمبئی میں وصول...
...ت جو ایسی جگہوں پر رہتے ہیں جہاں بنک نہیں...
...یں قبول نہ کیے جائیں گے۔

...کے پاس کونے پر اس ریاست کا نام جس سے کہ...
...ونا چاہیے کہ روانگی رمضان سے قبل مطلوب ہے یا...
...یس کر دیے جائیں گے۔

...یہ ساتوں درخواستیں ایک ہی صوبہ کے لوگوں...

...جائیں گی۔

...کے مطابق ہوگا اور دس نومبر ۱۹۷۶ء کے بعد...

...گی جس میں جہاز کا نام اور رجسٹریشن کا سلسلہ...
...سلسلہ نمبر لکھنا ہوگا۔

...اسٹریٹ فورٹ بمبئی ۱

بقیہ صفحہ ۴ کا

اولاد ہوس کے ۶ بیٹے اور ۵ بیٹیاں تھیں جن کے نام گورنمنٹ وثیقہ آفس کے قدیم ریکارڈ سے حاصل کر کے پیش کیے جا رہے ہیں
(۱) مرزا محمد خاں (۲) مرزا علی تقی خاں (۳) مرزا علی ہادی خاں (۴) مرزا مہدی علی خاں (۵) مرزا علی خاں (۶) مرزا احمد خاں۔
بیٹیوں کے نام یہ ہیں۔ زینب خانم۔ حرمت النساء خانم۔ عصمت النساء خانم۔ آمنہ خانم۔ جگنا خانم۔

ہوس کے ایک بیٹے مرزا علی تقی شعر کہتے تھے اور ان کا تخلص جوشن تھا۔ مصحفی نے ان کا حال اور چند شعر ریاض الفصحا میں نقل کیے ہیں۔

مصنف تذکرہ "بہارستان ناز" نے ہوس کی دو بیٹیوں کا ذکر کیا ہے یہ دونوں شاعرہ تھیں اور حیا و پارسا تخلص فرماتی تھیں۔
پارسا عمر بھر نا کتخدا رہیں کیونکہ بقول صاحب تذکرہ بہارستان ناز

"اس صاحب عصمت کا نکاح خود نواب صاحب مرحوم نے اس وجہ سے نہیں کیا کہ کسی شخص کو نسبت دامادی اپنی نسبت دینے میں ننگ و عار تھا۔"[1]

پارسا کا مندرجہ ذیل شعر بہت مشہور ہوا ہے

تن صورت حباب بنا اور بگڑ گیا
پتھر کا جو آب بنا اور بگڑ گیا

حیا کے تین شعر ملاحظہ ہوں

ہے موتیوں کے ہار پہ پرتو نگار کا
اب ڈگھر میں عکس نہاتا ہے یار کا
دل میں اک بوند تو رہنے دے لہو کی ہیے
چشم خونبار تیرے ہاتھ سے مر جاتی ہیے
بجلی کان کی بالی تمک ان کی بجلی
گرگئی حسن غضب ہوئے غضب ناک میں ہے

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سرکار انگریزی کمپنی نے اہل دثائق کے وثیقے بند کر کے ان پر بڑے مظالم کیے تھے چنانچہ ہوس کی اولاد کے بھی وثیقے بند کر دیئے گئے تھے جس کی وجہ سے انھیں سخت ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ گورنمنٹ وثیقہ آفس کے ریکارڈ سیکشن میں ہوس کے بچوں کی وہ اصل درخواست آج بھی محفوظ ہے جس میں ان سب نے لکھا ہے کہ "ہم لوگوں کو جو وثیقہ مدت دراز سے ملتا چلا آرہا تھا وہ گزشتہ چودہ ماہ سے بند ہے جس کی وجہ سے ہم لوگ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئے ہیں۔

"لہذا سرکار سے استدعا ہے کہ ہم لوگوں کے وثیقے دوبارہ جاری کیے جائیں۔"

ہوس کا انتقال ہوس کی تاریخ انتقال کا پتہ نہیں چلتا صاحب تذکرہ آب بقا[2] نے سال وفات سنہ ۱۲۶۰ھ لکھا ہے جسے حامد صاحب چھتر دری نے اپنے ایک مضمون میں بھی نقل کیا ہے۔ ہوس کی وفات کا ذکر تذکرہ شعراء از ابن امین اللہ طوفان میں یوں کیا گیا ہے۔

"میر تقی ہوس لکھنوی۔ شخصے مشاق بود۔ مضمون سوز وگداز می گفت۔ روزے چند است کہ ازیں دار ہوس رفت ۱۲۱۶ء"

اس تذکرہ کا سال تصنیف معلوم نہیں لیکن محترم جناب قاضی عبدالودود صاحب نے اس کے بعض مندرجات سے سنہ تصنیف ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ اور رجب ۱۲۵۰ھ کے درمیان قرار دیا ہے۔

میں نے گورنمنٹ وثیقہ آفس لکھنؤ سے ہوس کے انتقال کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں لیکن وہاں غدر ۱۸۵۷ء سے قبل کے ریکارڈز اب موجود نہیں۔ ہاں صرف اتنا پتہ چلا کہ ہوس کے وثیقہ کی تقسیم ۲۷ شوال سنہ ۱۲۵۱ھ کو عمل میں آئی تھی۔ میرے خیال میں ہوس نے تاریخ مذکور سے پانچ یا چھ ماہ قبل انتقال کیا ہوگا۔

کلام ہوس کا کلیات جو تقریباً جملہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اب تک کا شائع نہیں ہوا ہے ان کے کلام کا انتخاب مولانا حسرت موہانی نے شائع کیا تھا۔

کلیات کے قلمی نسخے رضائیہ رامپور، کتب خانہ نواب سالار جنگ۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد، کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، کتب خانہ جناب سید مسعود حسن صاحب (ادیب لکھنؤ) میں محفوظ ہیں ان کے دیوان کا ایک نسخہ محمد حسین صاحب (استاد اردو گیا کالج) کے پاس بھی محفوظ ہے۔

ہوس کی مشہور ترین مثنوی لیلی مجنون ہے جو سنہ ۱۲۶۱ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ ایک دوسری مثنوی محترم جناب ڈاکٹر گیان چند صاحب جین نے رسالہ نوائے ادب (بمبئی) میں ناتمام شائع کی تھی۔

ہوس لکھنوی کے کلام میں دہلوی اور لکھنوی رنگ شاعری کا حسین ترین امتزاج نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری میں میر کا سوز و گداز سودا کی متانت، مضمون آفرینی، علو تخیل حسن کی سادگی و سلاست، روانی تشبیہات و استعارات کا برمحل استعمال روزمرہ اور محاورے کا لطف مصحفی کی آن بان، انشا کی شگفتگی لطافت و شوخی۔ جرأت کی بیباکی اور رنگینی، ناسخ کی صفائی زبان و بیان اور خارجیت غرضکہ سب کچھ موجود ہے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو

سحر کو جب لطف دیکھا چمن میں
کہ بلبل نوحہ زن تھی گل خندہ زن تھا
نہ تھی تیرے وحشی کو جامے کی حاجت
تہ خاک دشت جنوں پیرہن تھا

---

[1] صفحہ ۹۹ حصہ ۲۲-۲۲

[2] ہوس لکھنوی شخصیت اور فن۔ نیا دور شمارہ جون ۱۹۶۲ء
[3] صفحہ ۱۷

کہیں گیا جو دنیا سے ہم نے چلے
غم و درد و رنج و الم [illegible] لے چلے
عدم ہی کے رہرو مسافر تھے ہم
سرائے جہاں میں بھی دم لے چلے

حسان بیمار عشق مت پوچھو
اب تو ہر دم نفس شماری ہے
ان دنوں اے ہو گئے ہیں میرے ہمراہ
نالہ و درد و آہ و زاری ہے

سینہ کے داغ دیکھ لیے میرے خلق نے
وحشت میں پھاڑ کر میں گریبان خجل ہوا

عدم سے [illegible] شوق لایا ہمیں
غرض تو نے یہ دن دکھایا ہمیں
خود عارضی یہ عالم اسباب ہو پرتش
اس رہگذر میں حشمت و اسباب کیا غرور
وہ ہو نہ سکے معجز عیسیٰ سے بھی زندہ
مارا ہوا ہوئے جو تیرے لب کے فسوں کا
کیا جانیں کیا غضب ہے یہ جادو نگہی کا
غش کر گیا ہوں میں جسے تک بار دیکھ کر

معین شاہد کا نیا ناول

اردو کے ممتاز ناول نگار معین شاہد کا ایک اور اصلاحی ناول "جذبۂ دل" چھپ کر بازار میں آگیا ہے۔ ناول سماج کے فرسودہ رواج، تلک اور جہیز کی لعنت کے موضوع پر ہے۔ اس ناول کو شمع بکڈپو دہلی نے نوٹو آفسیٹ کے ذریعہ شائع کیا ہے۔ قیمت چھ روپے ہے۔

ریاستی قوانین اردو میں بھی شائع ہوں

شری ایم باگا ریڈی ایم۔ ایل۔ اے صدر انجمن تحفظ اردو آندھرا پردیش نے ریاستی حکومت بالخصوص چیف منسٹر سے ریاستی قوانین کے اردو میں ترجمے کا انتظام بھی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس سلسلے میں ایک سرکاری کمیٹی کا قیام بھی ضروری ہے۔ شری ریڈی نے تلگو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے حکومت کے اقدامات کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ریاست کی دوسری اہم علاقائی زبان اردو میں بھی تمام مسودۂ قوانین، سرکاری قواعد و ضوابط اور جریدہ کے تراجم یقینی طور پر ہونے چاہئیں شری باگا ریڈی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ تحفظ اردو کانفرنس کی قرارداد کو منظور کرتے ہوئے ریاستی حکومت نے انجمن تحفظ اردو کو اردو کے مفادات کے تحفظ کے لیے اردو کے لیے بھی قانون سازی کرنے سے اتفاق کرلیا ہے۔ اس لیے اب ضروری ہوگیا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ابھی سے عملی اقدام شروع کردیا جائے۔

ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کے رولز میں بھی لسانی اقلیتوں کو دیے گئے مراعات سہولتوں اور تحفظات کی شمولیت اہم ترین ضرورت ہے جس کے بغیر اردو تعلیم کی ترقی و توسیع ممکن نہیں ہے۔ شری باگا ریڈی نے کہا ہے کہ حکومت راجستھان نے بھی حال ہی میں تمام قوانین کے اردو ترجمے کے اہتمام کرنے کے فیصلہ کا اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ اردو پالیسی پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی بھی قائم کی جائے گی اب ضروری ہوگیا ہے کہ آندھرا پردیش میں بھی جہاں سب سے پہلے منفرد اور حقیقت پسندانہ پالیسی اختیار کی گئی ہے اردو پالیسی پر حرف بہ حرف اور موثر عمل آوری کے لیے ریاستی سطح پر ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دینے میں پہل کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چیف منسٹر کی صدارت میں اس سلسلے میں پالیسی پر عمل کی رفتار کا ششماہی جائزہ لیا جارہا ہے۔ لیکن اس کمیٹی میں اردو تنظیموں کے نمائندوں کو نمائندگی دے کر ان کی موجودگی میں شکایات و مشکلات کی یکسوئی و اصلاح بر وقت اور فوری کی جاسکتی ہے۔

شری باگا ریڈی نے اردو کے لیے قانون سازی کے سلسلے میں بھی وزارت قانون کی جانب سے اردو کے نمائندوں اور سرکاری عہدہ داروں پر مشتمل ایک کمیٹی کے قیام کا بھی مطالبہ کیا ہے (حالات، پٹنہ)

برطانوی اخبارات میں اردو اشتہارات

لندن [illegible] اکتوبر۔ برطانیہ کی حکومت اور مخالف سیاسی جماعتیں اس وقت انگلستان میں اردو کو بڑی اہمیت دے رہی ہیں کیونکہ برطانیہ میں لاکھوں پاکستانی ہندوستانی اور دیگر باشندے آباد ہیں اور روزگار کی تلاش میں آتے رہتے ہیں جن میں سے اکثریت انگریزی نہیں جانتی مگر اردو میں اخبار پڑھ سکتی ہے جہاں برطانیہ کی حکمراں اور مخالف سیاسی جماعتوں نے آئندہ انتخابات جیتنے کے لیے اپنے پوسٹر اردو میں چھپوائے ہیں اور برمنگھم بریڈفورڈ لندن اور دوسرے شہروں سے شائع ہونے والے اخباروں میں اردو میں اشتہار دئے جارہے ہیں وہاں حکومت نے اپنے لندن کے دفتر روزگار میں ایک اردو جاننے والے انگریز منیجر کا تقرر بھی کردیا ہے یہ باون سالہ جان ارنشٹ ہے جو دوسری جنگ عظیم میں پنجاب میں مقیم رہا اور اردو سیکھ گیا۔ یہ شخص برصغیر سے آنے والے افراد سے معاملات روزگار میں بات چیت کرسکے گا۔

(دعوت دہلی)

مراسلات

مترادفات

(۱)

(۱) ۸ ستمبر کے شمارے میں دو اصحاب نے Robust language کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "بدکلامی" "سخت سُست" اور "سخت کلامی" تو موزوں ہو سکتے ہیں مگر بخدا "سخت الفاظ" موزوں نہیں ہو سکتا۔ البتہ "دراز زبانی" کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

(۲) اسم سے فعل بنانے کی بہت سی مثالیں جناب ضیا احمد بدایونی نے دی ہیں۔ اس سلسلے میں بس اتنا عرض کرنا ہے کہ ہم ہر اسم سے اس طرح کے فعل بناتے رہیں تو "اردو زبان" کا نام ہی بدلنا ہوگا۔ ایسے فعل کے بنانے میں دو باتوں کا خیال ضروری ہے۔

(۱) اسم ایسے ہوں جن کی بہت اہمیت ہو۔ اور وہ عالمگیر شہرت پاچکے ہوں۔

(۲) ایسے فعل صوتی اعتبار سے بھی گراں نہ گزریں

ایک اور بات اس سلسلے میں یہ کہنی ہے کہ "نہروانا" کے مقابلہ میں "نہروانی" موزوں ہوگا جیسے ظفر علی خاں مرحوم (مدیر زمیندار) نے یوں لکھا ہے۔

مجھے ہاں لکھا ہندو نے بھی نہروانی بھی
کر مجھ تو چاہیے تھی میرے ایمان کی نشانی بھی

ایس محمد الحسن نقشبندی

(۲)

"ہماری زبان" مورخہ ۲۲ اگست میں "میری بیٹک" کالم میں آپ نے بعض الفاظ کے مترادفات کے متعلق قارئین کو اظہار رائے کی دعوت دی ہے۔ ۸ ستمبر والے شمارے میں پروفیسر ضیا احمد بدایونی مدظلہ اور جناب انوار الحسن صاحب کے مراسلے نظر سے گزرے۔ ان حضرات نے (Robust language) کے لیے "سخت الفاظ" "سخت سُست" اور "سخت کلامی" تجویز فرمائے ہیں۔ اور آپ نے "میری بیٹک" کے عنوان کے تحت ان پر تبصرہ فرماتے ہوئے "کڑوی زبان" یا "کڑوے الفاظ" کو ترجیح دی ہے۔ جو ایک حد تک مناسب بھی ہے لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے "کڑوی زبان" لوگ نہیں بولتے ہیں۔ ہاں اس علاقے میں "کراری آواز" اور "کراری زبان" ضرور بولتے ہیں۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ ویسے میں "تیکھی زبان" "تیکھا لہجہ" یا "تیز زبان" کو زیادہ ترجیح دوں گا۔ مجھے امید ہے آپ اس پر ضرور اظہار رائے کریں گے۔ (محمد عثمان اللہ ندیم)

اولیاؤں

ہماری زبان کا شمارہ ۲۵ پیش نظر ہے سلام مچھلی شہری نے اپنی نظم "ہندوستان پائندہ باد" میں اولیاؤں استعمال کیا ہے۔

انجمن کے سرکاری اخبار میں یہ استعمال مزید محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے خیال میں یہ غلط العوام میں سے ہے یا غلط العام۔ از رہ عنایت "ہماری زبان" میں جواب مرحمت فرمائیں۔ (خاکسار سید محمد سعید)

نوٹ:۔ اولیاؤں یقیناً غلط ہے ہاں عوام بولتے ضرور ہیں۔ ادارہ

یہ شعر کس کا ہے

مندرجہ ذیل شعر کے بارے میں اگر کوئی صاحب بتا سکیں کہ یہ شعر کس کا ہے تو میں ممنون ہوں گا۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

(نجم الحسن کولار)

الیسوپ، س فیبلس

یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ کل صفحات ۷۰ ہیں۔ اس میں الیسوپ کے پورے ایک سو قصے ہیں۔ اصل انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ نہ سرورق کا پتہ ہے، نہ پشت ورق کا۔ اور، لہٰذا، میں آپ کو بتانے سے قاصر ہوں کہ کس نے چھاپی، کب چھاپی۔ اب، اس لیے، میں خود ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب کب چھپی، کہاں چھپی، کس نے ترجمہ کیا تھا۔ واضح رہے کہ اردو چھپائی قدیم طرز ٹائپ میں ہے، اور ترجمے کی زبان بھی قدامت کا پتہ دیتی ہے۔ (اقبال کرشن)

تبصرے

اعجاز عسکری

انڈونیشیا

شاہ حسین رزاقی

ادارۂ ثقافت اسلامیہ، پاکستان

شاہ حسین رزاقی صاحب کی کتاب انڈونیشیا (مطبوعہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ پاکستان، لاہور، ۱۹۶۲ء ص ۲۸۴، عام ایڈیشن سات روپیہ، خصوصی ایڈیشن دس روپیہ) ایک سیاسی تاریخ ہے جس میں اہل انڈونیشیا کے تین سو سالہ دور غلامی اور اس سے پیدا شدہ مسائل، قومی بیداری، جد و جہد آزادی، جدید سیاسی اور آئینی تحریکوں اور بالخصوص انڈونیشیا میں اسلام کی اشاعت اور ترویج، مسلم سلطنتوں کا عروج و زوال، مسلمانوں کی سیاسی اور دینی تنظیموں اور مشہور مذہبی اور سیاسی شخصیات وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں پس منظر کے طور پر جغرافیائی ماحول اور قدیم تاریخی اور ما قبل تاریخی حالات کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے، لیکن کا اصل مقصد اسلامی تحریکات اور ان کے مقاصد کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کرنا ہے۔ بنیادی طور پر یہ تصنیف، اسلامی دنیا کے حالات میں مصنف کی "غیر معمولی دلچسپی" کا نتیجہ ہے اور اس نظریہ پر مبنی ہے کہ اسلامی نظریۂ حیات کی تجدید ہی مسلمانوں کی ترقی اور بقا کی ضامن ہو سکتی ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ایک قابل قدر کوشش ہے اور یہ بات صحیح ہے کہ انڈونیشیا کے متعلق اردو داں عوام کی معلومات بہت محدود اور سطحی ہیں اور اب تک اردو یا ہندوپاکستان کی کسی دوسری زبان میں انڈونیشیا سے متعلق اچھی کتابیں لکھنے پر توجہ نہیں کی گئی ہے، یہ ایک بہت بڑی کمی ہے اور بلاشبہ پیش نظر کتاب اس کمی کے ازالہ کی طرف ایک موثر اقدام ہے۔

پیش لفظ میں کتاب کے موضوع کی جو تشریح کی گئی ہے، اس کی روشنی میں کتاب کا نام "انڈونیشیا۔ جدید اسلامی رجحانات اور تحریکیں" ہونا چاہیے تھا۔ صرف "انڈونیشیا" سے کتاب کے اصل موضوع کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ یہی نہیں بلکہ یہ عنوان اس بات کا متقاضی ہے کہ کتاب میں ملک کے جغرافیائی احوال، تہذیب و معاشرت، ثقافت، تعلیم، ادب اور فنون لطیفہ جیسے موضوعات بھی شامل ہوں اس لیے کہ کسی نئے ملک کے بارے میں ایک عامی کی دلچسپیوں کی ابتدا ان ہی سے ہوتی ہے۔

چناں چہ جہاں ایک طرف یہ بات قابل تحسین ہے کہ اسلامی رجحانات کی حامل تحریکوں کی اس داستان کو مرتب کرنے میں مصنف نے دقت نظر اور چھان بین سے کام لیا ہے وہیں یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ کتاب اس موضوع کو کہ انڈونیشیا سے متعلق ہماری محدود اور سطحی معلومات میں اضافہ کیا جائے اچھوتی کرتی۔ رزاقی صاحب نے سارا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ کن کن صدیوں میں کہاں کہاں کن اولیا اور صوفیائے کرام کی کوششوں کے نتیجہ میں اسلام پھیلا، کہاں کہاں اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں اور کس طرح زوال پذیر ہوئیں، مبلغین کا طرز کار کیا تھا، کون کون سی اسلامی تحریکات ابھریں اور مختلف ادوار میں کن مذہبی رہنماؤں نے تحریک احیائے اسلامی میں حصہ لیا اور ان تحریکوں سے کیا اثرات مترتب ہوئے؟ بلاشبہ صرف پاکستان ہی نہیں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے یہ باتیں دلچسپی کا موجب ہو سکتی ہیں۔ لیکن انڈونیشیا صرف اسلامی تحریکات کا نام نہیں۔ ہمارے عام قاری جسے انڈونیشیا پر کتاب پڑھنے کی توفیق ہو یہ ضرور جاننا چاہے گا کہ ۹ کروڑ انسانوں کے اس ملک میں کون سے باشندے رہتے ہیں؟ وہ ان جزیروں میں کب آباد ہوئے؟ ان کی ابتدائی تہذیب، معاشرہ، رسم و رواج، دیومالا، مذہبی تصورات کیا تھے؟ انڈونیشیا کے جغرافیائی حالات ان پر کس طرح اثر انداز ہوئے؟ اس نے جغرافیائی ماحول سے انھوں نے کس طرح مفاہمت کی؟ تین ہزار جزیروں پر مشتمل اس ملک میں ان کا تہذیبی اور معاشرتی ارتقاء کن خطوط پر ہوا؟ اسلام نے مقامی معاشرت، طور طریقوں، رسم و رواج، ادب اور فنون لطیفہ کو کس طرح متاثر کیا؟ اور اب ان کی بدلی ہوئی شکل کیا ہے؟ ولندیزیوں کی آمد اور ان کے تین سو سالہ اقتدار نے انڈونیشیا کے تہذیبی اور معاشرتی ڈھانچے کو کس طرح تبدیل کیا۔ آیا یہ تبدیلی فطری اور ارتقائی منازل سے گزری یا اس کا اثر محض عارضی تھا اور ولندیزیوں کی روانگی کے بعد زائل ہو گیا۔ آج کے انڈونیشیا میں تہذیبی اور معاشرتی بحران کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہاں مشرق و مغرب ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ عام زندگی، معاشرت، تعلیم، ثقافتی سرگرمیاں اسلامی ہیں یا غیر اسلامی؟ ان کے ادبی رجحانات کیا ہیں؟ فنون لطیفہ کو قومی زندگی میں کیا مقام حاصل ہے؟ ڈرامہ، نقاشی، مصوری، رقاصی، ظروف اور دوسرے تفریحی ادارے کن رجحانات سے دوچار ہیں؟ جو لوگ یہ سب کچھ جاننا چاہتے ہیں انھیں اس کتاب سے مایوسی ہوگی اور ان کی تشنگی برقرار رہے گی۔

حیرت کی بات ہے کہ کسی ثقافتی ادارے سے کوئی کتاب شائع ہو اور اس میں ثقافت کے بنیادی پہلوؤں کو اس طرح نظر انداز کر دیا جائے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ مجوزہ خطوط پر ایک ایسی کتاب لکھوانے کی کوشش کرے گا جو موجودہ کتاب سے زیادہ تشفی بخش ہو۔

اس رائے سے اختلاف کی کافی گنجائش ہے کہ "انڈونیشیا اسلامی دنیا کے روشن مستقبل کی تعمیر میں بہت اہم حصہ لے سکتا ہے" نہ صرف انڈونیشیا بلکہ دنیا کا کوئی بھی اسلامی ملک موجودہ دور

اس مبارک کام میں حصہ لینے کا اہل نہیں۔ مصنف کا یہ دعویٰ عقلی استدلال کا محتاج ہے اور جذباتیت پر مبنی ہے۔ اول تو یہ دعویٰ حقایق سے بے تعلق ہے کہ چونکہ پاکستان اور انڈونیشیا دنیا کے دو سب سے بڑے اسلامی ممالک ہیں اس لیے اسلامی دنیا کی ترقی و استحکام اور اس کے مستقبل کی تعمیر میں ان دونوں ملکوں کی بڑی اہمیت ہے اور اسلامی احیاء کی امید یں بھی انہی سے وابستہ ہیں، کیونکہ اسلامی نظریۂ حیات کی تجدید ان کا ایک بنیادی مقصد ہے اور اس کی خاطر انھوں نے طویل اور شدید جد و جہد کی ہے۔ دوسرے یہ کہ آج کے بین الاقوامی سیاسی حالات کے پس منظر میں بین الاسلامی اتحاد اور احیاء کے خواب دیکھنا ایک طفلانہ سادہ لوحی ہے۔ تمام اسلامی ممالک، انڈونیشیا ہو یا پاکستان نفسی طور پر غیر اسلامی ہیں۔ آج کے دور میں قوموں کے درمیان تعلقات اسلامی یا غیر اسلامی خطوط پر نہیں، بلکہ روزمرہ سیاسی مصالح کی روشنی میں استوار ہوتے ہیں۔ اس قسم کی پر اسرار باتوں میں مبتلا رہنا جذباتی تسکین کا موجب تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقت پسندی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی ایک موٹی سی مثال یہ ہے کہ پاکستان کے تعلقات اسلامی مصر کے مقابلہ میں اشتراکی چین سے زیادہ دوستانہ اور زیادہ قریبی ہیں، علاوہ ازیں خود پاکستان میں اسلامی تحریک برسر اقتدار جماعت کے استبداد کا جس طرح شکار ہے، وہ بات خود اسلام کے روشن مستقبل کا خواب دیکھنے والوں کے لیے تزکیہ نفس کا ایک اچھا موقع فراہم کرتی ہے۔ ایک مصنف کو اپنے گرد و پیش سے اس طرح بے خبر ہو کر نہیں سوچنا چاہیے۔

پیش نظر کتاب میں بعض جگہ بعض اصطلاحات کے استعمال میں بے احتیاطی برتی گئی ہے۔ مثلاً مشرق وسطیٰ ایک مغربی اصطلاح ہے اور یہ سمجھنا مشکل ہے کہ پاکستان یا ہندوستان میں بیٹھکر مغربی ایشیا کے ممالک کو مشرق وسطیٰ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کتابیات کا حصہ جدید اصولوں کی روشنی میں ترتیب نہیں دیا گیا اور اسے تھوڑی سی توجہ سے بہتر بنایا جا سکتا تھا۔ کتابیات میں سن اشاعت اور اشاعتی اداروں کے نام نہ دینا ایک معیوب بات ہے آخر میں اشاریہ کی کمی بھی ایک بڑا نقص ہے۔ اس قسم کی کتابوں کے لیے اشاریہ قطعی طور پر ناگزیر سمجھنا چاہیے۔

لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے اپنے محدود مقصد کے باوجود ہند و پاک والوں کے لیے جنھوں نے برطانوی دور غلامی کا مزہ چکھا ہے، انڈونیشیا کی جنگ آزادی کی یہ داستان ایک اچھا اور دلچسپ مطالعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

ضیا احمد بدایونی

علم الانسان یا قاعدہ شروانی

مرتبہ مولوی مقتدیٰ خاں شروانی

غالباً مرتب سے یا جیتاری کمپاؤنڈ علی گڑھ کے پتے سے ملے قیمت درج نہیں۔

بچوں کی ابتدائی اردو تعلیم جتنی آسان سمجھی جاتی تھی اتنی ہی مشکل ہے۔ ایک زمانے میں اس مسئلے پر چنداں توجہ نہ کی جاتی تھی چھوٹے بچوں کو لمبی لمبی تختیاں بے معنی یا مشکل الفاظ کی رٹائی جاتی تھیں جن سے مختلف اعراب کی مشق کرانی مقصود ہوتی تھی۔ شکر ہے کہ اب ہمارے ملک میں نئے نئے قاعدے لکھے گئے ہیں جن میں طلبہ کی نفسیاتی تربیت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان کو حروف کے ناموں کی جگہ آوازیں سکھائی جاتی ہیں۔ الفاظ کو تصویروں کی مدد سے بتایا جاتا بلکہ خود بچے سے تصویر کا نام پوچھا جاتا ہے۔ اور جملوں میں سادگی دلچسپی اور بچے کے ماحول سے قربت کا خیال رکھا جاتا ہے۔

زیر نظر قاعدے کے مرتب ہمارے مکرم مولوی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی ہیں جنھوں نے اب سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پہلے ہمارے طریق تعلیم کے نقائص اور بچوں کی مشکلات کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اسی کا نتیجہ یہ قاعدۂ شروانی ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حروف ہجا کی ترتیب مختلف رکھی گئی ہے، یعنی وہ حروف پہلے آتے ہیں جن کی ساخت سادہ و آسان ہے۔ پھر ان کے ہم شکل حروف لیے گئے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ ابتدا میں ایسے حروف حذف کر دئے ہیں جن کی ابتدا میں ضرورت نہیں پڑتی مثلاً ث، ح، ذ وغیرہ اس کے علاوہ حروف کے نام بھی مختصر کر دئے گئے ہیں یعنی الف بے تے کی جگہ ا با تا سکھائے گئے ہیں۔ اور ہجا کے قدیم طریقے سے بھی انحراف کیا گیا ہے شروع کے سبقوں میں ایسے الفاظ اور جملے استعمال کئے گئے ہیں جن میں حروف کے جوڑ یا پیوند کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آگے چل کر پیوند والے الفاظ کا نمبر آتا ہے۔ قاعدے کے بعض الفاظ مثلاً انداز، گنج، فالودہ، غزل، قاری، قنات، درویش، بانک وغیرہ چھوٹے بچوں کے لیے مشکل ہوں گے۔ تاہم مجموعی طور پر مرتب کی یہ کوشش لائق ستایش ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پرائمری اسکولوں کے استاد اس قاعدے کے دیے ہوئے اصول کو ضرور آزما کر دیکھیں گے اور مفید پائیں گے۔

اردو میں پشتو کا حصہ

امتیاز علی عرشی کی یہ کتاب حال ہی میں پشتو اکیڈمی پشاور نے شایع کی ہے یہ کتاب اردو کی بناوٹ کے سلسلے میں ایک نیا لسانی نظریہ پیش کرتی ہے اس کی قیمت ۵ روپے ہے اور کتاب مذکورہ بالا پتہ سے حاصل کی جا سکتی ہے

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پبلشر و پرنٹر سید ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شایع کیا